ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

نسل انسانی اور اس کی بقاء: تحقیق و تجزیاتی مطالعہ

HUMAN BEING REVOLUTION AND ITS SURVIVAL RESEARCH AND ANALYTICAL STUDY

☆محمد حسنین
ایم فل اسکالر، شعبہ اسلامی فکر و تہذیب، یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی، لاہور

ABSTRACT

The foundation of a family consists of a man, a woman and their children and the mutual relationship between man and woman is essential for the survival of the family. For this relationship, almost all religions have made the marriage bond between a man and a woman mandatory, history shows that this matrimonial relationship of Nikah or marriage is as old as man is. The first person of the human race was also devoted to marital relationship. This relationship of marriage is found in almost all civilizations of the world in one form or another. This relationship between man and woman started with the meeting of Hazrat Adam and Hazrat Eve and has been practiced in different ways in every era and civilization. Marriage not only brings social purity but this pure bond affects the life of the spouses. There are very pleasant effects, where the man enjoys the pleasure of Allah and His Messenger, the woman is also guaranteed her numerous rights, among a few issues are the spiritual rights of women, economic rights, social rights, Educational rights, legal rights, inheritance rights and political rights are included. These rights are essential and marriage has been declared as the means of survival of the human race. It is allowed to adopt monasticism, and there is no justification for not marrying a girl after puberty, so for a successful and peaceful social formation, the legal and religious mixing of men and women is very important.

***Keywords**: human being, revolution, survival, mutual understating, western civilization.*

خاندان کی بنیاد میں ایک مرد ، ایک عورت اور ان کے بچے شامل ہیں اور خاندان کی بقا کے لیے مرد و عورت کا باہمی تعلق ضروری ہے۔اس تعلق کے لیے تقریباً تمام مذاہب نے مرد و زن کے درمیان شادی کے بندھن یعنی نکاح کو لازمی قرار دیا ہے، تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ نکاح یا شادی بیاہ کا یہ ازدواجی تعلق اتنا ہی قدیم ہے جتنا انسان قدیم ہے۔نسل انسانی کا پہلا شخص بھی ازدواجی تعلق سے سرشار تھا۔شادی بیاہ کا یہ تعلق تقریباً دنیا کی تمام تہذیبوں میں کسی نہ کسی صورت میں پایا جاتا ہے۔مرد و عورت کا یہ رشتہ حضرت آدم اور حضرت حوا کے ملاپ سے شروع ہوا اور ہر زمانے و تہذیب میں مختلف طریقوں سے رائج رہا۔نکاح کے قیام سے نہ صرف معاشرتی طہارت وجود میں آتی ہے بلکہ اس پاکیزہ بندھن سے زوجین کی زندگی پر انتہائی خوشگوار اثرات مرتب ہوتے ہیں، جہاں مرد کو اللہ اور اس کی رسول کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے وہاں عورت کو اس کے بے شمار حقوق کی بھی ضمانت دی گئی ہے،چند امور میں سے عورت کے روحانی حقوق، معاشی حقوق، سماجی حقوق، تعلیمی حقوق، قانونی حقوق، وراثتی حقوق اور سیاسی حقوق شامل ہیں، ان حقوق کا لازمہ اور نسل انسانی کی بقاء کا ذریعہ نکاح قرار دیا گیا ہے ، اسلام شخصی اور فرد واحد کی زندگی کو پسند نہیں کرتا، نہ مرد کو عورت سے الگ رہ کر رہبانیت اختیار کرنے کی اجازت ہے اور نہ ہی لڑکی کا بلوغت کے بعد نکاح نہ کرنے کا کوئی جواز باقی بچتا ہے، لہٰذا ایک کامیاب اور پرسکون معاشرتی تشکیل کے لیے مرد و عورت کا جائز اور شرعی اختلاط بے حد ضروری ہے۔کسی بھی شریعت میں ہمیں یہ نہیں ملے گا کہ نکاح کے بغیر اس نبی کی نبوت و رسالت مکمل تھی، قرآن مجید بھی اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے:

{وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِکَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً}[1]

"ہم آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیج چکے ہیں اور ہم نے ان سب کو بیوی بچوں والا بنایا تھا"۔

نسل انسانی کی بقاء اور حفاظت کے لیے نکاح کس قدر اہمیت کا حامل ہے، اس ضمن میں سید ابوالاعلیٰ مودودی رقمطراز ہیں:

"نکاح انسانی تمدن میں سب سے مقدم اور اہم مسئلہ ہے اور آج تک کے حکماء و عقلاء پریشان و سرگرداں رہتے ہیں کہ اجتماعی زندگی میں عورت و مرد کا تعلق کس طرح قائم کیا جائے کیونکہ یہی تعلق دراصل تمدن کا سنگ بنیاد ہے اور تکمیلِ انسانیت کے لیے شادی کی ضرورت ہر قوم اور ہر زمانہ میں اہم رہی ہے۔[2]

چنانچہ اس انداز سے مضبوط اور مربوط خاندانی نظام تشکیل پاتا ہے جس سے معاشرے اور اقوام و ملل وجود میں آتی ہے، جس طرح انسان لباس کے ذریعے اپنے جسم کو ڈھانپتا ہے، اسی طرح قرآن کریم نے زوجین یعنی میاں بیوی کو بھی ایک دوسرے کا لباس قرار دیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

{هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ}[3]

"وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو"۔

ازدواجی تعلق کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے ابو ریحان البیرونی لکھتے ہیں:

"کوئی قوم ازدواج کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔اس سے شہوانیت، جس کو ہر مہذب ذہن برا سمجھتا ہے بے لگام ہونے سے رک جاتی ہے اور ان وجوہات کا انسداد ہو جاتا ہے جو حیوانات کو ایسا مشتعل کر دیتے ہیں جن سے ان کو نقصان پہنچتا ہے۔اگر آپ ان جانوروں پر غور کریں جو جوڑے کی شکل میں رہتے ہیں اور دیکھیں کہ اس جوڑے کا ہر فرد کس طرح دوسرے کی مدد کرتا ہے۔اور جوڑا بن کر

---

[1] الرعد۱۳: ۳۸

[2] مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، "پردہ"، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، ۱۹۸۹ء، ص:۱۰

[3] البقرۃ۲: ۱۸۷

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

رہنے کی وجہ سے کہ کس طرح دوسرے جانوروں کی شہوت سے محفوظ رہتے ہیں تو آپ بلا تامل یہ کہہ اُٹھیں گے کہ ازدواج ایک ضروری ادارہ ہے اور زنا ایک شرمناک عمل ہے جو انسان کو جانوروں کی سطح سے بھی نیچے گرا دیتا ہے حالانکہ حیوانات کا درجہ انسان سے بہت نیچے ہے"۔[1]

مولانا مجاہد الاسلام نکاح کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"نکاح مرد و عورت کے درمیان شرعی اصولوں پر کیا گیا معاہدہ ہے جس کے نتیجے میں ایک دوسرے کے ساتھ جنسی تعلق جائز اور پیدا ہونے والی اولاد کا نسب شرعاً ثابت ہو جاتا ہے اور باہم حقوق و فرائض عائد ہو جاتے ہیں"۔[2]

اللہ رب العزت نے مردوں اور عورتوں کو یکساں طور پر عبادات کا حکم دیا ہے، چونکہ ان دونوں کے ملاپ سے معاشرہ تشکیل پاتا ہے ، اور انہیں کے ملاپ سے انسانی نسل کی بقا ہے،نکاح کے ذریعے صرف ایک مرد و عورت کو ایک بندھن میں نہیں باندھا جاتا بلکہ اس سے دو خاندانوں کی وابستگی وجود میں آتی ہے، یہی وجہ ہے کہ نکاح کے ذریعے مرد و عورت ایک دوسرے کے قریب نہیں آتے، بلکہ دو خاندان ایک دوسرے کے قریب آجاتے ہیں ، پھر زوجین کے اس تعلق و اہمیت کا اس وقت اضافہ ہوتا ہے جب ان کے مابین نااتفاقی اور ناچاکی رونما ہو جائے تو پورا خاندان مضطرب اور پریشان دکھائی دیتا ہے، اسی خوبصورت بندھن کے جڑنے سے خاندان جڑتے ہیں اور اسی کے ٹوٹ جانے سے خاندان ٹوٹ جاتے ہیں۔

انسان کسی قدر آرام طلب واقع ہوا ہے اور فطری طور پر راحت وسکون کا محتاج ہے اوراسی طرح فطری جذبات اورانسانی خواہشات کو پورا کرنے کا مزاج رکھتا ہے۔راحت و مسرت، سکون و اطمینان اس کی فطرت میں داخل ہیں۔انسان کو اپنے مقصد تخلیق میں کامیاب ہونے عبادت میں یکسوئی و دلچسپی پیدا کرنے بندوں کے حقوق کو اچھی طرح ادا کرنے اور اپنے متضاد جبلی اوصاف کو صحیح رخ پر لانے کے لیے نکاح انسان کے حق میں نہایت موثر ذریعہ اور کارآمد طریقہ ہے۔اللہ نے نکاح میں انسان کے لیے بہت سے دینی ودنیاوی فائدے رکھے ہیں۔مثلاً معاشرتی فائدے، خاندانی فائدے ،اخلاقی فائدے ،سماجی فائدے ،نفسیاتی فائدے غرضیکہ فائدوں اور خوبیوں کا دوسرا نام نکاح ہے۔

انسان کو نکاح کے ذریعہ صرف جنسی سکون ہی حاصل نہیں ہوتا بلکہ قلبی سکون ذہنی اطمینان غرض کہ ہرطرح کا سکون میسر ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

{هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا}[3]

"وہی اللہ ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور پھر اسی کی جنس سے اس کا جوڑا بنادیا تاکہ وہ اس سے سکون حاصل کرے"۔

پھر جوڑوں کا یہ سلسلہ جو اَبد سے ہے اور ازل تک بغیر کسی انقطاع کے جاری و ساری رہے گا، لیکن اس سلسلے کو بھی شرعی قوانین کا پابند بنا دیا گیا تاکہ ایک فرد سے منسلک ہونے والا یہ سلسلہ رہبانی احکامات سے بے بہرہ نہ رہے ، اسی لیے فرمایا:

{یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّ نِسَآءً}[4]

"اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جاندار سے پیدا کیا اور اس جاندار سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں"۔

اس آیت سے عورت کی اہمیت معلوم ہوتی ہے کہ عورت مرد کے حق میں ایک انمول تحفہ ہے اورمرد کے لئے باعث سکون و اطمینان ہے لہٰذا جو مرد عورت کی قدر کرتا ہے وہ کامیاب اور پرسکون زندگی گزارتا ہے۔اگر انسان نکاح سے جو انسانی فطری ضرورت ہے منہ موڑنے کی کوشش کرتا ہے تو انسان کو خطرناک نتائج کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔نکاح کے بغیر سارا نظام درہم برہم ہوجاتا ہے۔تاریخ میں چند استثنائی صورتوں اور چند مذہبی لوگوں کے افکار کے علاوہ دنیا میں ہمیشہ تمام انسان ہر زمانے میں شادی کو اہم ضرورت تسلیم کرتے آئے ہیں تاریخ کی روشنی میں شادی سے مستثنیٰ کبھی کوئی قوم مذہب اور ملت نہیں رہے ہیں۔ہر مذہب وملت میں مقررہ مراسم اور رواجات کے بغیر تعلقات مرد وعورت برے اوراخلاق سے گرے ہوئے سمجھے گئے ہیں اگرچہ ہر مذہب وملت میں شادی کے طور طریقے رسم و رواج الگ الگ رہے ہیں بحرحال شادی کی اہمیت پر سب متفق ہیں۔

اللہ رب العزت نے مردوں اور عورتوں کو یکساں طور پر عبادات کا حکم دیا ہے، چونکہ ان دونوں کے ملاپ سے معاشرہ تشکیل پاتا ہے ، اور انہیں کے ملاپ سے انسانی نسل کی بقا ہے، لہٰذا نکاح جیسے اہم معاملے میں اسلام نے عورت کو بھی اختیار دیا ہے ،وہ اچھے کاانتخاب اپنے گھر والوں کے سامنے کر سکتی ہے اور پسند نہ آنے پر اپنی رائے کا اظہار کر سکتی ہے، اس کے ساتھ کسی بھی قسم کی دھاندلی و دھونس کی اسلام قطعاً اجازت نہیں دیتا۔

نسلِ انسانی کی بقا کا ذریعہ

عَنْ مَعْقِلِ بْنِ یَسَارٍ رضی الله عنه قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّﷺ فَقَالَ: اِنِّیْ اَصَبْتُ امْرَأَةً ذَاتَ حَسَبٍ وَجَمَالٍ وَاِنَّهَا لاَ تَلِدُ، اَفَأَتَزَوَّجُهَا ؟ قَالَ ((لَا)) ثُمَّ اَتَاهُ الثَّانِیَةَ فَنَهَاهُ، ثُمَّ اَتَاهُ الثَّالِثَةَ، فَقَالَ ((تَزَوَّجُوا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ فَاِنِّیْ مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْاُمَمَ))[5]

---

[1] البیرونی، ابو ریحان، "تاریخ ہندوستان"، ایجوکیشن پریس کراچی، ۱۹۸۶ء، ص:۲۰۳

[2] مجاہد الاسلام، مولانا، "اسلام کے عائلی قوانین"، دارالندوۃ انڈیا، ص: ۳۲

[3] الأعراف،۷: ۱۸۹

[4] النساء۴: ۱

[5] البانی، ناصر الدین، علامہ، "صحیح سنن ابی داؤد للالبانی"، الجز الثانی، دارالسلام لاہور، رقم الحدیث: ۱۷۰۵

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

"حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک آدمی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا "ایک خوبصورت اور اچھے حسب و نسب والی عورت ہے لیکن اس کے ہاں اولاد نہیں ہوتی کیا اس سے نکاح کروں"۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "نہ کرو" پھر وہ دوسری مرتبہ حاضر ہوا آپ ﷺ نے پھر اسے منع فرما دیا پھر وہ تیسری مرتبہ (اجازت لینے) حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "محبت کرنے والی اور زیادہ بچے پیدا کرنے والی عورت سے نکاح کرو کیونکہ میں اپنی امت کو تم لوگوں (یعنی مسلمانوں) کی وجہ سے بڑھانا چاہتا ہوں"۔

اس سلسلے میں مولانا ظفر اقبال اپنی کتاب "جواھر الحدیث" میں رقم طراز ہیں:

نسل انسانی کی بقاء کیلئے اللہ تعالیٰ کی مرضی کی موافقت انسان کو نصیب ہوتی ہے، کیونکہ جب کوئی شخص اپنے کسی غلام کو کھتی باڑی کے تمام اسباب و آلات فراہم کردے، زمین اور اس میں بکھیرنے کیلئے بیج بھی مہیا کر دے، وہ غلام جسمانی طور پر صحت مند بھی ہو اور کھتی باڑی کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو، پھر اگر وہ سستی اور کم ہمتی سے کام لیکر بیج کو ضائع کر دے، اسباب و آلات کو خراب ہونے کیلئے چھوڑ دے اور زمین کی خبر گیری نہ کرے تو اس کے آقا کو طبعی طور پر رنج ہو گا، اور وہ غلام اپنے آقا کی ناراضگی کا مستحق ہو گا، لیکن اگر وہ ان سب چیزوں کو کام میں لاتا ہے اور کھتی باڑی کے عمل کو طے شدہ طریقہ کار کے مطابق سرانجام دیتا ہے تو اس کا آقا اس کی محنت کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے، بلا تشبیہ یوں ہی جب کوئی شخص نکاح کے بعد اپنی نفسانی خواہش کی تکمیل کرتا ہے اور اس کے نتیجے میں اسے اولاد کی نعمت نصیب ہوتی ہے تو گویا اس کی محنت مکمل ہو جاتی ہے اور اس کا آقا یعنی اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہو جاتا ہے، یوں اسے اللہ تعالیٰ کی مرضی کی موافقت نصیب ہو جاتی ہے۔[1]

انسانی رشتوں اور ان کی بقاء کی خوبصورت علامت باہمی میل جول اور بندھن ہے، قرآن حکیم اس مضمون کو کچھ اس انداز میں بیان کرتا ہے:

{وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَصِهْرًا وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا}[2]

"اور وہی ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا، پھر اس کے نسبی اور سسرالی رشتے ٹھہرائے اور آپ کا رب بڑی قدرت والا ہے"۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے آدمی کو ایک حقیر پانی سے پیدا کیا، پھر اس سے اس کی بہت زیادہ اولاد پھیلا دی، ان کے نسب بنائے، سسرالی تعلقات بنائے۔اسی اہمیت کی بنا پر اکثر فقہا اور محدثین نے اس کو جہاد پر مقدم رکھا ہے، کیوں کہ جہاد مردوں کا کام ہے اور افرادی قوت شادی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی، یہ زندگی کو برقرار اور درست سمت پر گامزن رکھنے کے لیے سب سے اعلیٰ مقام کی ترجمانی کرتی ہے، یہ عظیم الشان مصلحتوں، کثیر حکمتوں اور شریفانہ مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ ہے۔یعنی نکاح تطہیر معاشرہ اور نسلِ انسانی کی بقا ہے۔

اس سوال کا جواب ڈاکٹر ذاکر نائیک اپنی کتاب "اسلام کی سچائی غیر مسلموں کے اعتراضات" میں کچھ اس انداز سے دیتے ہیں:

"قرآن نے نسل انسانی کی بقاء کے لیے شادی اور نکاح کو کیوں ضروری قرار دیا ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ یوں تو مرد اور عورتیں برابر تعداد میں پیدا ہوتے ہیں لیکن نوزائیدگی میں بچیاں بیماریوں اور جراثیمی حملوں کے خلاف بچوں کی نسبت زیادہ قوتِ مدافعت رکھتی ہیں، نوزائیدہ بچوں کی شرح اموات بچیوں کی نسبت زیادہ ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ عورتوں کی تعداد مردوں کی نسبت زیادہ ہوتی ہے، زندگی جوں جوں آگے بڑھتی ہے عملی زندگی میں عورتوں کی نسبت مرد زیادہ حادثوں کا شکار ہوتے ہیں اور اس دوران بہت سے اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں، اس وقت دنیا میں عورتوں کی تعداد مردوں کی نسبت بہت زیادہ ہے، تاہم انڈیا اور اس جیسے چند اور ممالک میں مردوں کی تعداد عورتوں سے زیادہ ہے لیکن مجموعی صورتِ حال یہی ہے کہ دنیا میں مرد کم اور عورتیں زیادہ ہیں، ایملی بیکنن نے اپنی رپورٹ میں کہا ہے کہ صرف انڈیا میں ہر روز 3000 سے زائد خواتین یہ جان کر کہ ان کے پیٹ میں بچی ہے حمل ضائع کرا دیتی ہیں، اگر آپ اعداد و شمار کا جائزہ لیں تو ایک سال میں ایک ملین سے زائد حمل صرف اس لیے گرا دیے جاتے ہیں کہ وہ بچیاں ہوتی ہیں، اگر اس برائی کو انڈیا اور دنیا کے دیگر حصوں میں روک دیا جائے اور لوگوں کو اس بات کا احساس دلایا جائے کہ وہ یہ بات معلوم ہونے پر کہ ایک ماں بیٹی کو جنم دینے والی ہے اسقاطِ حمل سے باز آجائیں تو یہاں عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہو سکتی ہے۔

عالمی اعداد و شمار کچھ اس طرح ہیں:

- ☆ عالمی اعداد وشمار کے مطابق امریکہ میں عورتوں کی تعداد مردوں سے 7.8 ملین زیادہ ہے۔
- ☆ امریکہ میں 25ملین سے زائد Gays یعنی لواطت پرست ہیں، یہ امریکی معاشرے کا ایک اور سنگین مسئلہ ہے، نیویارک میں عورتوں کی تعداد مردوں سے ایک ملین زیادہ ہے جبکہ نیویارک کی آبادی میں سے تیسرا حصہ اغلام باز یا ہم جنس پرست ہے اور لواطت میں مبتلا ہے۔
- ☆ برطانیہ میں 400000چار لاکھ خواتین مردوں کی تعداد سے زیادہ ہیں۔
- ☆ جرمنی میں 500000خواتین مردوں سے زیادہ ہیں۔
- ☆ روس میں 900000خواتین مردوں سے زیادہ ہیں۔

پوری دنیا میں عورتوں کی تعداد مردوں سے کتنی زیادہ ہے اس بات کو اللہ ہی بہتر جانتے ہیں، فرض کریں اگر مغربی فلسفے سے متفق ہو جاتے ہیں اور ایک مرد کو صرف ایک ہی عورت سے شادی کرنا چاہیے جیسا کہ اکثر غیر مسلم افراد کا نکتہ نظر ہے۔ اب فرض کریں میری بہن امریکہ میں رہ رہی ہے اور فرض کریں کہ معاشرہ معمور ہے یعنی ہر ایک آدمی پہلے سے ہی اپنے لیے ایک خاتون منتخب کر چکا ہے اور ابھی تک 30 ملین عورتیں بن بیاہی بیٹھی ہیں۔7.8 ملین خواتین تو ویسے ہی زیادہ ہیں اور 25ملین ہم جنس پرستوں کی وجہ سے غیر شادی شدہ رہ گئی ہیں، اب صورت حال یہ ہے کہ 30ملین سے زائد خواتین شریکِ حیات سے محروم ہیں، ان میں سے بدقسمتی سے میری بہن بھی شامل ہے، اگر تو اسے کوئی غیر شادی شدہ مرد مل جاتا ہے تو الحمدللہ لیکن دوسری صورت میں میری بہن کیلئے واحد راستہ یہی ہے کہ وہ کسی ایسے فرد سے شادی کر لے جس کی پہلے سے ایک بیوی موجود ہے۔

لیکن فرض کریں معاشرے میں اس کی گنجائش نہیں ہے، اب وہ کیا کرے گی! اس کیلئے صرف ایک ہی راستہ ہے کہ وہ کسی شادی شدہ مرد کی دوسری بیوی بن جائے یا وہ پبلک پراپرٹی بن جائے، لوگ کہیں گے پبلک پراپرٹی!! ڈاکٹر ذاکر اس طرح کے سخت الفاظ استعمال کر رہا ہے؟ میں کہتا ہوں کہ اس حوالے سے میں جو سب سے نرم لفظ استعمال کر سکتا ہوں وہ "پبلک پراپرٹی" ہے، میں دوسرے بدنام

---

[1] ظفر اقبال، مولانا محمد، "جواھر الحدیث"، اداراہ اسلامیات لاہور، ۲۰۱۲ء، ج:۲، ص:۳۲۸

[2] الفرقان۲۵: ۵۴

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

الفاظ استعمال نہیں کر سکتا کیونکہ میں ایک داعی ہوں۔اس کیلئے کوئی تیسرا اختیار یا راستہ نہیں ہے، اور جدید معاشرے کی ہر عورت پبلک پراپرٹی بننے کی بجائے پہلی صورت کو ترجیح دے گی کہ وہ کسی شادی شدہ مرد کی دوسری بیوی بن جائے۔

مغربی دنیا میں یہ بات عام ہے کہ وہ ایک مسٹریس (محبوبہ) رکھتے ہیں، اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک آدمی کے شادی سے قبل اوسطاً آٹھ خواتین سے جنسی مراسم ہوتے ہیں، کسی کے دس، کسی کے بیس، کسی کے تیس، بعض کے کم عورتوں دو، تین یا ایک سے تعلقات ہو سکتے ہیں، باقاعدہ شادی سے قبل ایک آدمی کی زندگی میں اوسطاً آٹھ مختلف عورتیں آتی ہیں، اس کے علاوہ دس ، بیس یا تیس خواتین سے مراسم ان کیلئے کوئی مسئلہ نہیں، لیکن اگر ایک عورت سے دریافت کیا جائے تو جب وہ کسی کی مسٹریس بنتی ہے تو یہ اس کیلئے کسی عزت کی بات نہیں بلکہ اس طرح وہ کم تر ہو جاتی ہے۔اسے کسی قسم کے حقوق حاصل نہیں ہوتے، اگر اس کا موازنہ اس خاتون سے کیا جائے جو کسی مرد کی دوسری بیوی ہوتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اسے عزت حاصل ہے! اسے احترام کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے!! اسے حقوق حاصل ہوتے ہیں!اسلام ان مسائل کا حل پیش کرتا ہے ، تمام انسانیت کے مسائل کا حل اور دکھوں کا مداوا اسلام میں موجود ہے"۔[1]

اسلام نے تمام قسم کے امتیازات اور ذات پات، نسل، رنگ، جنس، زبان، حسب و نسب اور مال و دولت پر مبنی تعصبات کو جڑ سے اکھاڑ دیا اور تاریخ میں پہلی مرتبہ تمام انسانوں کو ایک دوسرے کے ہم پلہ قرار دیا خواہ وہ امیر ہوں یا غریب، سفید ہوں یا سیاہ، مشرق میں ہوں یا مغرب میں، مرد ہوں یا عورت اور چاہے وہ کسی بھی لسانی یا جغرافیائی علاقے سے تعلق رکھتے ہوں۔انسانی مساوات کی اس سے بڑی مثال کیا ہوسکتی ہے کہ دنیا کے مختلف ملکوں، نسلوں اور زبانوں سے تعلق رکھنے والے ہر سال مکۃ المکرمہ میں ایک ہی لباس میں ملبوس حج ادا کرتے دکھائی دیتے ہیں۔احترامِ آدمیت اور نوعِ بشر کی برابری کے نظام کی بنیاد ڈالنے کے بعد اسلام نے اگلے قدم کے طور پر عالم انسانیت کو مذہبی، اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور سیاسی شعبہ ہائے زندگی میں بے شمار حقوق عطا کئے۔انسانی حقوق اور آزادیوں کے بارے میں اسلام کا تصور آفاقی اور یکساں نوعیت کا ہے جو زمان و مکاں کی تاریخی اور جغرافیائی حدود سے ماورا ہے۔اسلام میں حقوق انسانی کا منشور اُس اللہ کا عطا کردہ ہے جو تمام کائنات کا خدا ہے اور اس نے یہ تصور اپنے آخری پیغام میں اپنے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کی وساطت سے دیا ہے۔اسلام کے تفویض کردہ حقوق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک انعام کے طور پر عطا کئے گئے ہیں اور ان کے حصول میں انسانوں کی محنت اور کوشش کا کوئی عمل دخل نہیں۔دنیا کے قانون سازوں کی طرف سے دیئے گئے حقوق کے برعکس یہ حقوق مستقل بالذات، مقدس اور ناقابل تنسیخ ہیں۔ان کے پیچھے الٰہی منشا اور ارادہ کار فرما ہے اس لئے انہیں کسی عذر کی بناء پر تبدیل، ترمیم یا معطل نہیں کیا جا سکتا۔

پروفیسر ڈاکٹر مقصود جعفری انسانیت کی بقاء اور اس کے مختلف عروج و زوال سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں:

"تاریخ انسانی میں انسان کے ہاتھوں جو انسان کی تذلیل و تحقیر ہوئی ہے اس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔کبھی مذہب ، کبھی قبیلے، کبھی زبان، کبھی رنگ اور کبھی ریاست کے نام پر انسان نے انسانوں کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا۔حضرت عیسیٰؑ کے واقعہ صلیب کے بعد سلطنت رومانے یہودی رہائین کے اکسانے پر حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں اور پیروکاروں کو مشق ستم بنایا۔پھر جب عیسائیوں نے طاقت حاصل کی تو انہوں نے یہودیوں کو ناکوں چنے چبوائے۔ماضی قریب میں جرمنی کے حکمران ہٹلر کی مثال موجود ہے جس نے ہزاروں یہودیوں کو زندہ جلا دیا۔مہاتما گوتم بدھ نے بدھ مت کی تبلیغ شروع کی تو ہندوؤں نے اس کے پیروکاروں کو اذیت ناک سزائیں دیں۔اسی طرح بابا گورونانک کے پیروکاروں کو ہند میں ہندوؤں نے بے دریغ قتل کیا۔چودہ صدی قبل جب مکہ سے پیغمبر اسلام ﷺ نے دعوت اسلام دی تو مشرکین و سرداران مکہ نے پیغمبر اسلام ﷺ اور صحابہ کرامؓ کو اتنی اذیتیں دیں کہ قول رسول ﷺ ہے جتنی مجھے اذیتیں دی گئیں اتنی کبھی کسی اور نبی کو نہیں دی گئیں۔مذہب کے علاوہ رنگ بھی فساد و نبیاد عناد ہے۔امریکہ میں کالوں کے ساتھ شدید نفرت کی جاتی ہے اور آج سے چند سال قبل کئی ہوٹلوں پر یہ بورڈ آویزاں تھے۔ہوٹل میں کالوں اور کتوں کا داخلہ ممنوع ہے۔کیا امریکی اس بات سے انکار کرسکتے ہیں کہ استعماری عہد میں ان کالے افریقیوں کو پایہ زنجیر کرکے بحری جہازوں میں لایا گیا،انہیں غلام بنایا گیا،ان کے خون پسینہ سے امریکہ کے چمن میں پھول کھلے۔ان سے مزدوروں کا کام لیا گیا،سڑکیں بنیں،فلک بوس عمارتیں بنیں،کھیت آباد ہوئے،کاشتکاری ہوئی، صنعتوں میں ان سے دن میں رات دن کام لیا گیا اور جب امریکہ آباد وشاد ہوا تو گوروں نے رنگ و نسل کا تعصب دکھایا اور کالوں کو جانوروں سے بھی بدتر قرار دیا۔اسی طرح زبان کا بھی تعصب ہے،تقسیم ہند سے پہلے بھارت میں اردو و ہندی کا تنازعہ کھڑا کیا گیا۔آج پاکستان میں اردو زبان کے مقابلہ میں مقامی زبانوں کے تعصب کو ہوادی جارہی ہے۔سندھ میں اردو اور سندھی زبان کا جھگڑا کھڑا کردیا گیا جو استحکام پاکستان کے لئے خطرہ ہے۔ان تمام تنازعات کا حل احترام انسانیت میں ہے۔آیہ قرآن ہے ۔ { وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ } کیا کبھی ہم نے یہ سوچا کہ بادشاہوں کے رعب داب کے لئے جلالی بادشاہی کی اصطلاح کیوں استعمال کی جاتی ہے۔دراصل عوام کو حاکموں کی دست بستہ اطاعت کیلئے ان کو مافوق الفطرت مخلوق قرار دیا جاتا ہے یعنی وہ ظل الٰہی ہیں، انسانوں سے برتر مخلوق ہیں،ان کے اشارہ ابرو پر تقدیر بدلتی ہے۔جسے چاہیں نوازیں اور جسے چاہیں تختہ دار پر لٹکائیں۔اسلام جو احترام انسانیت کا دین ہے اس میں بادشاہت نہیں،مشاورت اور خلافت کا نظام ہے "۔[2]

نسل انسانی کی بقاء کا بنیادی فلسفہ تین باتوں میں مضمر ہے، ایک یہ کہ مرد و عورت کے جائز ملاپ سے انسانیت کا تحفظ اور بقاء ہو، دوسرا انسانوں کا باہمی میل جول اور رویوں کا مناسب اور فطری ماحول ،تہذیب و شائستگی نسلوں کو پروان چڑھانے اور ان کی تعمیری تشکیل کرنے میں بنیادی حیثیت کی حامل عناصر ہیں۔نسل انسانی کی بقا تہذیب سے جڑی ہوئی ہے، اس سلسلے میں ول ڈیورانٹ لکھتے ہیں:

"تہذیب کے لیے کوئی نسلی شرائط نہیں، یہ کسی بھی براعظم، رنگ اور نسل میں پیدا ہو سکتی ہے، کوئی بڑی نسل تہذیب کو پیدا نہیں کرتی بلکہ یہ بڑی تہذیب ہی ہے جو قوموں کی تخلیق کرتی ہے، تہذیب صرف اس اعتبار سے نسل سے تعلق رکھتی ہے، مختلف نسلوں کی باہم شادیاں بتدریج نسبتاً متجانس قوم میں رچ بس جاتی ہیں اور ایک نئی نسل وجود میں آتی ہے، تہذیب کوئی خلقی شے نہیں نا ہی یہ لازوال ہے، تہذیبیں بنتی اور مٹتی رہتی ہیں، دنیا کی ہر پرانی اور نئی تہذیب کی تشکیل مندرجہ ذیل عناصر ترکیبی سے ہوئی ہے"۔[3]

ول ڈیورانٹ مزید لکھتا ہے:

---

[1] ذاکر نائیک،ڈاکٹر محمد، "اسلام کی سچائی اور غیر مسلموں کے اعتراضات"، مترجم: انجم سلطان شہباز، بک کارنر۔جہلم

[2] https://www.nawaiwaqt.com.pk/22-Jul-2017/636439

[3] ول ڈیورانٹ، "انسانی تہذیب کا ارتقاء"، مترجمہ: تنویر جہاں، فکشن ہائوس لاہور، ص:٦

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

"تہذیبیں نسلی روح کی سیڑھیاں ہوتی ہیں، جس طرح خاندانی افزائش اور پھر تحریر نسلوں کو آپس میں مربوط کرتی ہیں، مرتے ہوئے لوگوں کی روایات کو نوجوانوں کے حوالے کرتی ہیں، اسی طرح طباعت، تجارت اور خبر رسانی کے ہزاروں طریقے تہذیبوں کو دے کر اور مستقبل کی تہذیبوں کے لیے جو کچھ اہمیت کا حامل ہوتی ہے اسے محفوظ رکھتے ہیں، ہمیں چاہیے کہ مرنے سے پہلے اپنی تہذیبی وراثت کو اپنے بچوں کے سپرد کر دیں"۔[1]

ہر تہذیب کے کچھ بنیادی عناصر ہوتے ہیں جن سے وہ تہذیب تشکیل پاتی ہے اور دنیا کی تمام تہذیبوں میں یہ بنیادی عناصر پائے جاتے ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

پروفیسر مفتی محمد احمد تہذیب کے بنیادی عناصر سے متعلق بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

سب سے پہلی چیز جس کا کسی تہذیب میں کھوج لگانا ضروری ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ دنیا کے متعلق اس کا کیا تصور ہے؟ وہ اس دنیا میں انسان کی حیثیت کیا قرار دیتی ہے؟ اس کی نگاہ میں دنیا کیا ہے؟ انسان اس دنیا کو استعمال کرے تو کیا سمجھ کر استعمال کرے؟ تصورِ حیات کا سوال اس قدر اہم ہے کہ انسانی زندگی کے تمام اعمال پر اس کا نہایت گہرا اثر ہوتا ہے، اس تصور کے بدل جانے سے تہذیب کی نوعیت بنیادی طور پر بدل جاتی ہے۔نوعِ انسانی نے اس دنیا کو مختلف انداز سے دیکھا اور اکثر ایسا ہوا کہ جس کو جو پہلو نمایاں نظر آیا اس نے حیاتِ دنیا کے متعلق اسی پہلو کے لحاظ سے ایک نظریہ قائم کر لیا اور دوسرے پہلو پر نگاہ ڈالنے کی کوشش بھی نہ کی۔

مثال کے طور پر ایک گروہ نے انسان کی کمزوری اور بے بسی اور اس کے مقابلے میں فطرت کی بڑی بڑی طاقتوں کی شوکت و جبروت کو دیکھ کر یہ نتیجہ نکالا کہ وہ دنیا میں ایک نہایت حقیر ہستی ہے اور یہ نافع اور ضار قوتیں جو نظر آتی ہیں وہ کسی عالمگیر قانون کی تابع نہیں بلکہ خود مختار ہیں، یہ تخیل ان کے ذہن پر اس قدر غالب ہوا کہ وہ پہلو جس میں انسان کو شرف حاصل ہے، ان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا اور اپنی ہستی کے روشن پہلو کو بھی بھول گیا، اور اپنی عزت و آبرو کے احساس کو اپنی کمزوری و ناتوانی کے مبالغہ آمیز اعتراف پر قربان کر دیا، بت پرستی، شجر پرستی، ستارہ پرستی اور دوسرے نظائرِ فطرت کی پرستش اسی نظریہ کی پیداوار ہے۔

جبکہ اسلام کا نوعِ انسانی سے متعلق کیا تصور ہے، اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

{وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْۤ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا}[2]

"اور یقیناً ہم نے بنی آدم کو عزت دی ، اُنہیں خشکی اور سمندر میں سواری دی ، اُنہیں پاکیزہ چیزوں کا رزق عطا فرمایا اور انہیں اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فضیلت دی "۔

یعنی اسلام نے بنی آدم کی تخلیق کو وجۂ عزت و فضیلت قرار دیا ہے، جو اس کا فطری اور اسلامی حق ہے۔ایک دوسرے گروہ نے دنیا کو اس نظر سے دیکھا کہ اس میں بس فساد ہی فساد ہے، تمام کارخانہ ہستی اس لیے چل رہا ہے کہ انسان کو تکلیف اور رنج پہنچائے اور دنیا میں جتنے تعلقات اور روابط قائم ہیں سب انسانوں کو پریشانیوں اور مصیبتوں میں پھانسنے والے پھندے ہیں، ایک انسان ہی کیا پوری کائنات افسردگی اور ہلاکت کے پنجے میں گرفتار ہے جہاں جو کچھ بنتا ہے بگڑنے کے لیے بنتا ہے ، بہار اس لیے آتی ہے کہ خزاں اس کے چمن کو لوٹ لے ، زندگی کا شجر اس لیے برگ و بار لاتا ہے کہ موت کا عفریت اس سے لطف اندوز ہو ، بقاء کا جمال سنور کر اس لیے بار بار آتا ہے کہ فنا کا دیوتا اس کو ہلاک کر دے اس تصور نے لوگوں کے لیے دنیا اور اس کی زندگی میں کوئی دلچسپی باقی نہ چھوڑی، لہٰذا دنیا نے اپنی نجات اس میں سمجھی کہ اپنے تمام احساسات کو باطل کر دیں اور فطرت کے اس ظالم قانون کو توڑ دیں جس نے محض اس کارخانے کو چلانے کے لیے انسانوں کو آلۂ کار بنایا ہوا ہے۔

{اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا }[3]"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تمہیں بے مقصد پیدا کیا ہے "۔اسلام اس بات کی سختی سے تردید اور نفی کرتا ہے کہ اس مظاہرِ کائنات اور خود وجودِ انسانی بلامقصد اور بلاجواز پیدا کیا گیا ہے، کائنات کا ذرّہ ذرّہ مقصد کے تحت پیدا کیا اور یہ تمام چیزیں اللہ کی کاریگری پر دلالت کناں ہیں۔ایک اور گروہ ہے اس نے دنیا کو اس نظر سے دیکھا کہ اس دنیا میں انسان کے لیے لذت و عیش کا سامان موجود ہے اور ایک تھوڑی مدت ان سے لطف اندوز ہونے کے لیے ملی ہے،تکلیف اور الم کا احساس ان لذتوں کو بدمزہ کرتا ہے ، اگر انسان اس احساس کو باطل کر دے اور کسی چیز کو اپنے لیے موجب تکلیف اور باعث الم نہ رہنے دے تو جہاں پھر لطف ہی لطف ہے ، آدمی کے لیے جو کچھ ہے یہی دنیا ہے جو کچھ مزے اڑانے ہیں اسی دنیا میں اڑانے ہیں ، موت کے بعد یہ سب کچھ نسیا منسیا ہو جائے گا۔یہ نظریہ سراسر کفر پر مبنی ہے کہ مرنے کے بعد سب کچھ فنا ہو جائے گا اور دوبارہ اس کائنات کی بارگاہ میں حاضری نہیں ہو گی۔قرآن اس باطل نظریہ کی بھی تردید کرتا ہے:

{كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ}[4]

"تم اللہ کے ساتھ کفر کیسے کر سکتے ہو حالانکہ تم بے جان تھے، سو اس نے تمہیں پیدا کیا، پھر تمہیں موت دے گا، پھر تمہیں زندگی دے گا، پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے"۔

اس کے بالکل برعکس ایک گروہ کی نگاہ میں انسان نہ صرف ایک صاحب ارادہ ہستی ہے، بلکہ وہ کسی بالاتر ارادے کے ماتحت اور کسی اعلیٰ طاقت کا فرمانبردار نہیں ہے اور اپنے اعمال وافعال میں انسانی حکومت کے قانون کے علاوہ کسی اور کے سامنے جواب دینے کا پابند نہیں ہے، وہ اس دنیا کا مالک ہے اور دنیا کی تمام چیزوں کو اس کے لیے مسخر کیا گیا ہے اسے اختیار ہے ، اسے جس طرح چاہے استعمال کرے اس نے اپنی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے اپنے اعمال و افعال میں ایک نظم و ضبط پیدا کرنے کے لیے اپنی انفرادی زندگی پر خود ہی پابندیاں عائد کرنی ہیں مگر اجتماعی حیثیت سے بالکل مطلق العنان ہے اور کسی بالاتر ہستی کے آگے مسئول ہونے کا تخیل سراسر لغو ہے، مغربی مفکرین اسی خیال کے حامی ہیں، ان کے دیگر عقائد و افکار اسی سوچ سے جنم لیتے ہیں مغربی انداز زندگی انہی باطل خیالات کے مرہونِ منت ہے۔

---

[1] ول ڈیورانٹ، "انسانی تہذیب کا ارتقاء"، مترجمہ: تنویر جہاں،ص:۱۰

[2] الاسراء، ۱۷: ۷۰

[3] المؤمنون، ۲۳: ۱۱۵

[4] البقرہ،۲: ۲۸

جبکہ قرآن کا تصور اس غلط نظریے کے حوالے سے یہ ہے کہ تم سب ایک وقت مقرر تک اس دنیا میں ٹھہرائے گئے ہو، پھر تم سب کو اسی ذات کے سامنے لوٹایا جائے گا جس نے تمہیں پیدا کیا، پھر وہ تم سے اس دنیا میں کیے گئے اعمال کے مطابق سوال کرے گا، جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: { وَسَوْفَ تُسْاَلُوْنَ }[1] ”اور عنقریب تم سے پوچھا جائے گا“۔اس آیت اس بات پر دلالت کناں ہے، کہ انسان کا معاملہ شتر بے مہار جیسا نہیں، جو جی میں آیا کیا، جو من نے چاہا اس پر عمل کیا، بلکہ اس کی تحدید کی گئی، اس کو پھلانگنے کی کوشش کرے گا تو اس کائنات کا نظام چلانے والی سب سے زبردست اور طاقت ور ذات اللہ تعالیٰ کی اس سے ضرور پوچھے گی۔

انسان کے جملہ اعمال کا سرچشمہ اس کا ذہن ہے، مبدأ افعال ہونے کی حیثیت سے ذہن کی دو حالتیں ہیں ایک حالت یہ ہے کہ اس میں خاص قسم کے خیالات راسخ نہ ہوں مختلف پراگندہ اور منتشر خیالات آتے رہیں اور ان میں سے جو خیال بھی قوی ہو وہی عمل کے لیے متحرک بن جائے۔دوسری حالت یہ ہے کہ وہ پراگندہ خیالات کی آماجگاہ نہ رہے بلکہ چند مخصوص خیالات اس طرح راسخ ہو جائیں کہ اس کی عملی زندگی مستقل طور پر انہی کے زیراثر آجائے اور اس سے منتشر اعمال صادر ہونے کی بجائے مرتب اور منضبط اعمال صادر ہوا کریں۔اسی طرح جو تہذیبیں انسانی تخیلات یا فلاسفہ کے اقوال پر قائم ہیں ان کے اساسی افکار و عقائد ہوتے ہیں اور اسلام کے بنیادی عقائد ان سے قدرے مختلف ہیں۔تہذیب انسان کو بحیثیت انسان کے کس طرح کا آدمی بناتی ہے؟ یعنی وہ کس قسم کی اخلاقی تربیت کرتی ہے جس سے وہ انسان کو اپنے نظریہ کے مطابق کامیاب زندگی بسر کرنے کے لیے تیار کرتی ہے؟ وہ کون سے خصائل و اوصاف اور نفسی خصائص ہیں، جنہیں وہ انسانوں میں بیدار کرنے اور نشوونما دینے کی کوشش کرتی ہے؟ اور اس کی مخصوص اخلاقی تربیت سے انسان کیسا بنتا ہے ، گو تہذیب کا اصل مقصد نظامِ اجتماعی کی تعمیر ہوا کرتا ہے لیکن افراد ہی وہ میٹیریل ہیں جس سے جماعت کا قصر بنتا ہے اور اس قصر کا استحکام اس بات پر منحصر ہوتا ہے کہ اس کا ہر پتھر اچھا تراشا ہوا ہو، ہر اینٹ خوب پکی ہوئی ہو کسی جگہ بے جان میٹیریل استعمال نہ کیا جائے، لہٰذا افراد سے ہی قوم بنتی ہے جس نے فرد کی تربیت نہ کی قوم کی تربیت بھی نہ کر سکے گا۔اس تہذیب میں انسان اور انسان کا تعلق اس کی مختلف حیثیتوں کے لحاظ سے کس طرح قائم کیا گیا ہے؟ اس کا تعلق اس کے خاندان سے کیسا ہے ہمسایوں سے اپنے بالا دستوں سے اور ماتحتوں سے تعلق کس قسم کا رکھے، اس کے حقوق دوسروں پر اور دوسروں کے اس پر کیا حقوق قرار دیئے گئے ہیں، اسے کن حدود کا پابند کیا گیا ہے؟ اگر آزادی اسے دی گئی ہے تو کس حد تک؟ اس سوال کے ضمن میں اخلاق، معاشرت، قانون، سیاست اور بین الاقوامی تعلقات کے تمام مسائل آجاتے ہیں اور اسی سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ زیر بحث تہذیب خاندان ، سوسائٹی اور حکومت کی تنظیم کس ڈھنگ پر کرتی ہے۔[2]

اسی طرح نسل انسانی کا تحفظ انسانی جان کے تحفظ سے ممکن ہو سکتا ہے، قرآن کریم میں جابجا مقامات پر نسل انسانی اور انسانی جان کے تحفظ کے لیے اقدامات کرنے پر زور دیا گیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

{ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا }[3]

”اور جس نے کسی ایک انسان کو زندگی دی، گویا اس نے تمام انسانوں کو زندگی دی“۔

امام عبدبن حمید، ابن جریر اور ابن منذر نے حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے {وَمَنْ اَحْيَاهَا } کا یہ معنی نقل کیا ہے جس نے کسی کو غرق ہونے، جلنے، گرنے اور ہلاک ہونے سے بچایا تو گویا اس نے تمام انسانوں کے ساتھ یہ معاملہ کیا“۔[4]

اعمش وغیرہ نے ابو صالح سے اور انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس دن حاضر ہوا جب آپ کو اپنے گھر میں محصور کر دیا گیا تھا تو میں نے عرض کی: امیر المؤمنین! میں آپ کی مدد کے لیے حاضر ہوا ہوں، آپ نے فرمایا: ابوہریرہ! کیا آپ کو یہ بات پسند ہے کہ تمام لوگوں کو، پھر ان کے ساتھ مجھے بھی قتل کر دیں؟ میں نے عرض کی: جی نہیں! فرمایا: اگر آپ نے ایک آدمی کو بھی قتل کیا تو گویا تمام انسانوں کو قتل کردیا، لہٰذا آپ چلے جائیں، میں آپ کو اجازت دیتا ہوں، اللہ تعالیٰ آپ کو اجروثواب دے گا اور آپ کو کوئی گناہ نہیں ہوگا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں آپ کی یہ بات سن کر واپس آگیا اور میں نے کسی سے کوئی لڑائی نہیں کی“۔[5]اس سے مراد انسانیت کا احترام سمجھانا مقصود ہے، اگر ایک مسلمان کی تحقیر اور تذلیل کرنا اتنا بڑا گناہ ہے تو پھر اس کی جان لینے سے کتنے بڑے عذاب سے انسان دوچار ہوگا۔

حفاظت جسم اور اس کی نشوونماکے لیے اسلام نے زرّیں اور بیش قیمت اصول و قواعد متعین کیے ہیں،جو اِس کے احترام، بقا اور تحفظ کے ضامن ہیں، ایسی حفاظت اور نقصان پہنچانے سے متعلق تنبیہات ہیں جو شرفِ انسانی کا پتہ دیتے ہیں۔قرآن مجید میں ارشاد ہے:

{وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ }[6]

”اور اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو“۔

مندرجہ ذیل آیت کی تعبیر و تشریح انسانی نفس کی حفاظت اور اس کے تقدس کا درس دیتی ہے۔

اور ارشادباری ہے:

{وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ}[1]

---

[1] الزخرف،۴۳: ۴۴

[2] محمد احمد، پروفیسر مفتی، ”تعارف تہذیب مغرب اور فلسفۂ جدید“، مکتبہ اسلامیہ فیصل آباد، ص:۴۳ تا ۴۷

[3] المائدہ، ۵: ۳۲

[4] سیوطی، عبدالرحمن بن ابی بکر، جلال الدین، امام”تفسیر در منثور“ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ج:۲،ص:۲۶۱

[5] سیوطی، عبدالرحمن بن ابی بکر، جلال الدین، امام”تفسیر در منثور“ج:۲،ص:۲۶۱

[6] البقرہ، ۲: ۱۹۵

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

" انسانی جان کو ہلاک نہ کرو جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے"۔

درج ذیل آیات بھی انسانی جان کی حرمت اور حفاظت کی ضامن ہیں:

{مِنْ اَجْلِ ذٰلِکَ کَتَبْنَا عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اَنَّہ مَنْ قَتَلَ نَفْسًام بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا وَمَنْ اَحْیَابَا فَکَاَنَّمَآ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا}[2]

"(انسان کی)یہی (سرکشی)ہے جس کی وجہ سے ہم نے (موسیٰ کو شریعت دی تو اُس میں)بنی اسرائیل پر بھی اپنا یہ فرمان لکھ دیا تھا کہ جس نے کسی ایک انسان کو قتل کیا، اِس کے بغیر کہ اُس نے کسی کو قتل کیا ہو یا زمین میں کوئی فساد برپا کیا ہو تو اُس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کردیا اور جس نے کسی ایک انسان کو زندگی بخشی، اُس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی۔

اسی طرح قرآن مجید میں انسانی جان کو نقصان پہنچانے سے متعلق تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

{وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُہ جَہَنَّمُ خَالِدًا فِیْہَا وَغَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَلَعَنَہٗ وَاَعَدَّ لَہٗ عَذَابًا عَظِیْمًا }[3]

"اُس شخص کی سزا، البتہ جہنم ہے جو کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے، وہ اُس میں ہمیشہ رہے گا، اُس پر اللہ کا غضب اور اُس کی لعنت ہے اور اُس کے لیے اُس نے ایک بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے"۔

درج بالا آیاتِ قرآنی محض انسانی شرف اور تحفظ پر ہی مبنی نہیں ہیں، بلکہ انسانی جان کو محفوظ بنانے میں مشعلِ راہ ہیں اور اس کو نقصان پہنچانے کی صورت میں دنیوی اور اخروی خسارے سے متعلق تنبیہ ہیں۔

---

[1] الاسراء، ۱۷: ۳۳

[2] المائدہ، ۵: ۳۲

[3] النساء، ۴: ۹۳